EP&CCD
محکمہ تحفظ ماحول و موسمیاتی تبدیلی حکومت پنجاب

EPA
ادارہ تحفظ ماحول، حکومت پنجاب
An ISO Certified Agency

ہمارا ماحول ہماری ذمہ داری

سرسبز کل کے لیے کہانیاں

محکمہ تحفظِ ماحول و موسمیاتی تبدیلی
حکومت پنجاب

ہمارا ماحول
ہماری ذمہ داری

سرسبز کل کے لیے کہانیاں

جملہ حقوق بحق ادارہ محکمہ تحفظِ ماحول و موسمیاتی تبدیلی، لاہور محفوظ ہیں۔ محکمہ تحفظِ ماحول و موسمیاتی تبدیلی کی تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کا کوئی بھی حصہ کسی بھی شکل میں نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی نقل کیا جا سکتا ہے۔ اِس کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

کتاب کا نام : ہمارا ماحول ہماری ذمّہ داری (سر سبز کل کے لیے کہانیاں)

نگران : ڈاکٹر عمران حامد شیخ (ڈائریکٹر جنرل، ای پی اے)

معاون : ڈاکٹر عامر فاروق (ڈائریکٹر، ای پی اے)

پروف ریڈنگ : لبنیٰ پروین

ڈیزائننگ : اقراء جاوید

اشاعت اوّل : 2025ء

تعداد : 500

اہم پیغام

سلوت سعید

سیکرٹری
محکمہ تحفظ ماحول و موسمیاتی تبدیلی، حکومتِ پنجاب

میرے ننھے ماحول دوست ہیروز،
السلام علیکم!

یہ زمین ہماری ماں کی طرح ہے، یہ دھرتی ماں ہمیں رہنے کو جگہ دیتی ہے، ہمارے لئے کھانا اگاتی ہے، ہم اس کی آغوش میں سانس لیتے ہیں اور روزانہ کچھ نیا سیکھتے ہیں۔ تو پھر ہماری ذمّہ داری تو بنتی ہے کہ ہم اس کا خیال رکھیں۔ ہماری زمین کو آلودگی جیسے بڑے دشمن کا سامنا ہے، جیسے کوڑا کرکٹ، دھواں، پلاسٹک وغیرہ۔ یہ سب مل کر ہماری زمین، ہماری فضا کو آلودہ کر رہے ہیں، تو کیوں نا ہم اِس کیلئے کچھ کام کریں۔ پودے لگائیں، پانی بچائیں، پلاسٹک بیگ کے استعمال سے اِنکار کریں اورفضائی آلودگی کم کرنے میں ہر ممکن حد تک اپنا حصہ ڈالیں۔ ویسے تو یہ بہت معمولی سے کام نظر آتے ہیں لیکن ان سے بہت بڑی تبدیلی آئے گی۔

اِسی کیلئے محکمہ تحفظ ماحول و موسمیاتی تبدیلی، آپ کے لئے ماحول دوست دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ لایا ہے جِس کو پڑھ کر آپ بہت کچھ سیکھیں گے۔ جوں جوں آپ ان کہانیوں کو پڑھتے جائیں گے، آپ کے سامنے نئی راہیں کھلتی جائیں گی۔ یہ محض کہانیوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ماحول کے محافظ بننے کا ایک شاندار موقع بھی ہے۔ اِس کتاب میں شامل تمام کہانیاں، آپ ہی جیسے ننھے منّے کرداروں پر مبنی ہیں جو اپنے ماحول کو آلودہ ہونے سے بچاتے ہیں اور ہیرو بن جاتے ہیں۔ لٰہذا آپ صرف اِن کہانیوں کو نہیں پڑھ رہے ہوں گے، بلکہ صحیح معنوں میں ماحول کے محافظ بننے کی جانب قدم بڑھا رہے ہوں گے۔ تو آئیے مل کر اپنے گھر کو، پنجاب کو اور اپنے پاکستان کو صاف ستھرا، سرسبز، اور خوشحال بنائیں۔

اہم پیغام

ڈاکٹر عمران حامد شیخ (PAS)

ڈائریکٹر جنرل
محکمہ تحفظِ ماحول، حکومت پنجاب

زمین کے محافظ بچوں کے نام!

ادارہ تحفظِ ماحول آپ کے لیے کہانیوں کا ایک انمول خزانہ لایا ہے۔ ہر کہانی آپ کو ایک ایسے سفر پر لے جائے گی جہاں تازہ ہوا، صاف پانی، خوبصورت جانور اور سرسبز جنگلات آپ کے دوست ہوں گے۔ مگر اس خوبصورتی کے درمیان آلودگی، اسموگ، کوڑا کرکٹ اور فضلہ نامی دشمن بھی ہوں گے، جو ہماری پیاری زمین کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ فطرت کے سچے دوست ہونے کے ناطےآپ بے حد ذہین ، ہمدرد اور پرعزم ہیں۔آپ میں وہ طاقت ہے جو ان دشمنوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ جب آپ زمین پر پڑا کچرا اٹھائیں گے، پلاسٹک کی چیزیں استعمال نہیں کریں گے، پانی بچائیں گے، درخت اگائیں گے اور اپنی سائیکل پر سفر کریں گے تو زمین خوش ہو کر مسکرا اُٹھے گی۔ ہر چھوٹا عمل چاہے وہ جتنا بھی معمولی کیوں نہ ہو، زمین کی سانسوں کو تازگی بخشتا ہے۔آپ وہ روشنی ہیں جواندھیرے میں اُمید کی کرن جگاتی ہے۔ اس لیے ان کہانیوں کو دل لگا کر پڑھیں اورہمیشہ یاد رکھیں کہ ہر چھوٹا قدم بڑی تبدیلی لانے میں مددگار ثابت ہوتاہے۔ اب آپ زمین سے دوستی کر کے ہمارے پیارے پنجاب کو محفوظ بنانے میں ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔ زمین کو آپ جیسے محافظوں کی ضرورت ہے۔

آئیں، ہم اور آپ مل کر اس مُہم کو کامیاب اور پنجاب کو سرسبز و شاداب بنائیں کیونکہ آپ کے ساتھ کے بغیریہ ممکن نہیں۔

آئیں آپ بھی ہمارا ساتھ دیں۔

فہرست

01	خوشحال پورہ	01
02	ماحول کا محافظ	12
03	زہریلا تھیلا	18
04	کہاں گیا سارا پانی	25

خوشحال پورہ

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک چھوٹے سے محلے ''خوشحال پورہ'' میں بہت اچھے لوگ رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنے گھروں کو صاف سُتھرا رکھتے تھے۔ موسمِ گرما کا آغاز ہوتے ہی سورج ہر طرف اپنی روشنی بِکھیرنے لگتا اور یہی وہ وقت تھا جِس کا ''خوشحال پورہ'' بستی کے بچے بے چینی سے اِنتظار کر رہے تھے۔

اور ہاں! ایک بات جو آپ کو بتاتے چلیں کہ جب موسمِ گرما کی تعطیلات قریب آتیں تو بچوں کی خُوشی کی اِنتہا نہ رہتی کیونکہ یہی وہ وقت ہوتا تھا جب اُن کے سوچے ہوئے منصوبے اور تدابیر پُوری ہوتی نظر آتیں تھیں۔

اُس بستی میں کھیل کا صرف ایک ہی میدان تھا جب بچے کھیلنے کے لیے اُس میدان میں پہنچے تو اُنھیں یہ دیکھ کر بہت دُکھ ہوا کہ اُن کے کھیلنے کا میدان کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ ہر طرف بدبو پھیلی تھی اور مکھیاں بھِنبھنا رہی تھیں۔ گدھ جیسے پرندے بھی اُس گندگی پر اُڑ رہے تھے جبکہ آوارہ بلیاں اور کُتے اپنے لئے گلی سڑی خوراک ڈھونڈنے کے لیے اُس غلاظت کو اِدھر اُدھر بکھیر رہے تھے۔

دوستو! یہ ایک حقیقت ہے کہ غلاظت اور کوڑے کا ڈھیر کسی اور نے نہیں بلکہ خوشحال پورہ کے باسیوں نے ہی بنایا تھا، لیکن کوئی بھی اِس اِلزام کو اپنے سَر لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ آخر عمر اور اُس کے دوستوں نے اُس میدان کے کچھ حصّے کی صفائی کی اور کرکٹ کھیلنا شُروع کر دی۔

ہائے افسوس! ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گُزرا تھا کہ خوشحال پورہ بستی کے ننھے ننھے بچوں کی کرکٹ ٹیم کے تمام کھلاڑی ایک نئی مشکل میں گھِر گئے۔ ہر روز اُن کی تعداد میں کمی آنا شروع ہو گئی۔ شائد اِس مرتبہ اِن تعطیلات میں قسمت اُن کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

عمر بہت اُداس تھا اور وہ کھیلنے کے لیے میدان میں بھی نہ گیا تھا، اِس بات سے اُس کی امّی کو فِکر ہونے لگی۔ امّی کے پُوچھنے پر عمر بولا کہ اُن کا فائنل میچ منسوخ ہو گیا ہے، کیونکہ ٹیم کے بہت سے کھلاڑی بِیمار پڑ گئے ہیں۔

اُسی شام عمر بھی بخار میں مُبتلا ہو گیا اوراس کی امّی اُسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھا کہ عمر کے دوستوں کے علاوہ، بستی کے دِیگر بچوں کی ایک بڑی تعداد پہلے سے وہاں جمع تھی۔ وہ سب بِیمار ہوچکے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے عمر کے معائنے کے دوران اُس کی امّی کو بتایا کہ بچوں کی بڑی تعداد ملیریا، ٹائیفائیڈ، پیچش، آشوبِ چشم اور جِلدی آمراض میں مُبتلا ہے۔ یہ بیماریاں گندے ماحول میں موجود مختلف بیکٹیریا اور وائرس کی وجہ سے پھیل رہی ہیں۔

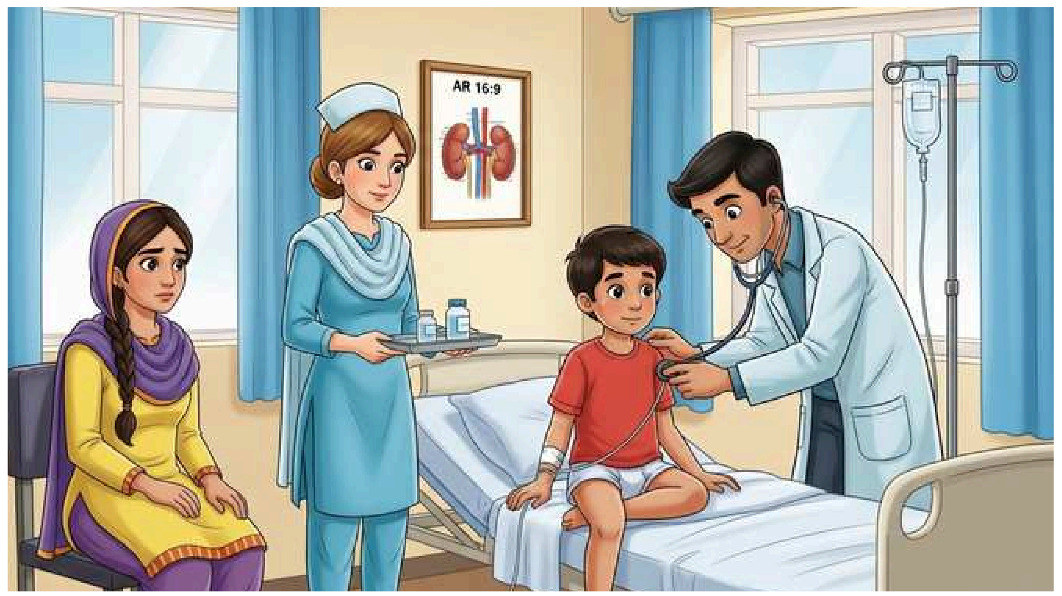

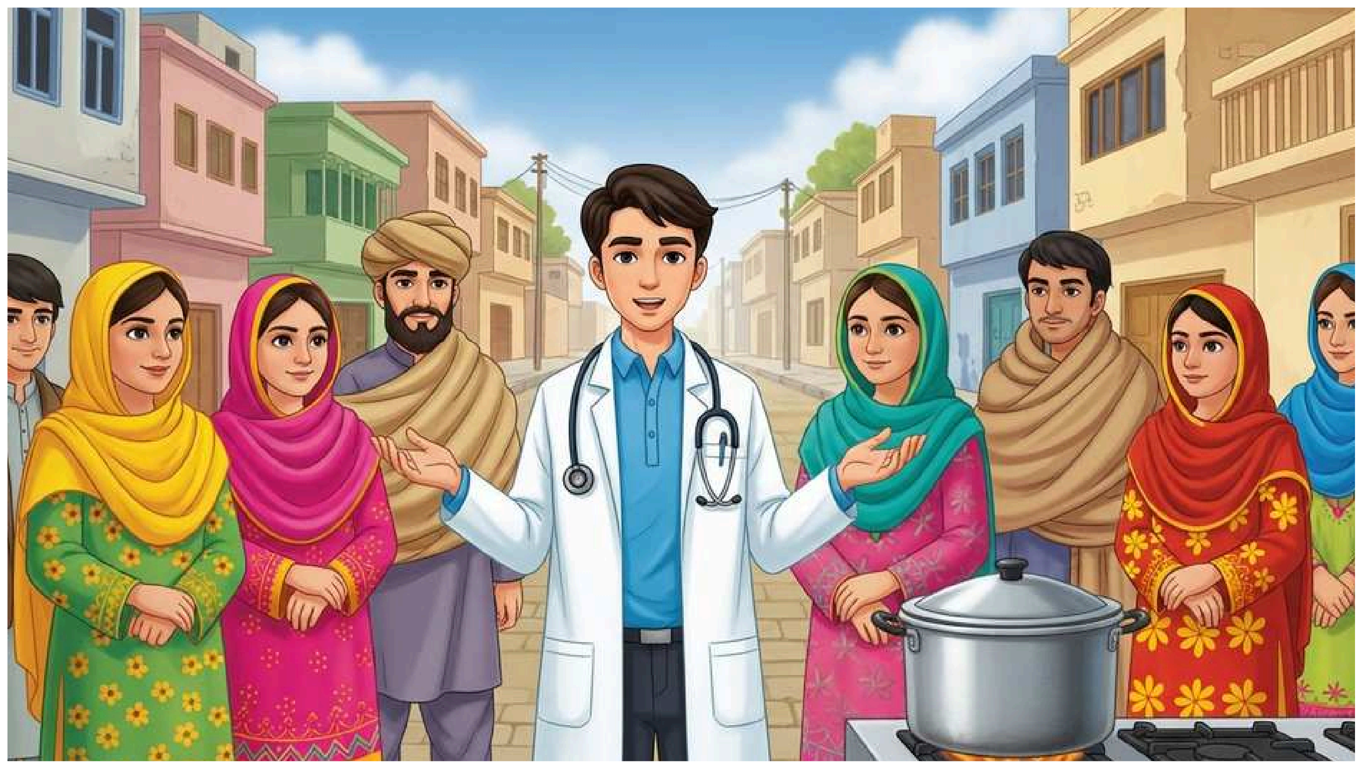

چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے خوشحال پورہ کے مکینوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی اور اپنے بچوں کی صحت کا خاص خیال رکھیں اور اُنھوں نے اِس بات پر زور دیا کہ سب لوگ اُبال کر ٹھنڈا کیا ہوا پانی پیئیں، اور اپنے ماحول کو صاف رکھیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ باتیں خوشحال پورہ بستی کے مکینوں کے لیے حیرت کا باعث تھیں، کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ لوگ تو اپنے گھروں کو صاف رکھتے ہیں،اِس کے باوجود اُن کے بچے بیمارپڑ گئے ہیں ۔ لیکن بد قسمتی سے وہ لوگ اِس حقیقت سے بے خبر تھے کہ ایک طرف تو وہ اپنے گھروں کو صاف رکھتے ہیں جبکہ دوسری طرف گلیوں اور میدانوں میں کوڑے اور گندگی کے ڈھیر جمع کر رہے ہیں جہاں اُن کے بچے کھیلتے ہیں۔

اُسی روز ٹیلی ویژن پر ایک نیوز کاسٹر انسانی صحت پر آلودگی سے ہونے والے اثرات کے بارے میں بتا رہا تھا۔ نیوز کاسٹر نے کوڑے کرکٹ کو مناسب طریقے سے ٹھکانے لگانے پر زور دیا اور علاقے کو صاف رکھنے میں پُوری بستی کو ذمّہ داری نبھانے کی نصیحت کی۔

اِس پروگرام نے بستی کے بزرگوں کو سوچ میں ڈال دیا اور انہیں اِس مسئلے کو فوری طور پر حل کرنے کی ضرورت پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے گھروں کے باہر اور اُن جگہوں سے گندگی اور غلاظت کو ختم کر دیں جہاں اُن کے بچے کھیلتے ہیں۔

چنانچہ یوں ہوا کہ بستی کے تمام لوگ مل کر محکمہ تحفظِ ماحول کے دفتر اور ضلعی حکومت کے دفتر گئے اور اُن سے درخواست کی کہ وہ خوشحال پورہ بستی کی تباہ کن صورتِ حال کو ٹھیک کرنے میں اُن کی مدد کریں۔

محکمہ تحفظِ ماحول کے آفسران نے گھریلو کچرے میں سے دو بارہ قابلِ استعمال اشیاء کو گھر پر علیحدہ کرنے اور نامیاتی کچرے سے گھریلو سطح پر کھاد بنانے کے مشورے دیئے۔ اس طریقے سے نہ صرف کچرے کو تَلف کرنے کے اخراجات، جو ہم ٹیکس کی شکل میں ادا کرتے ہیں، میں کمی ہوگی بلکہ یہ پیسے کمانے کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔

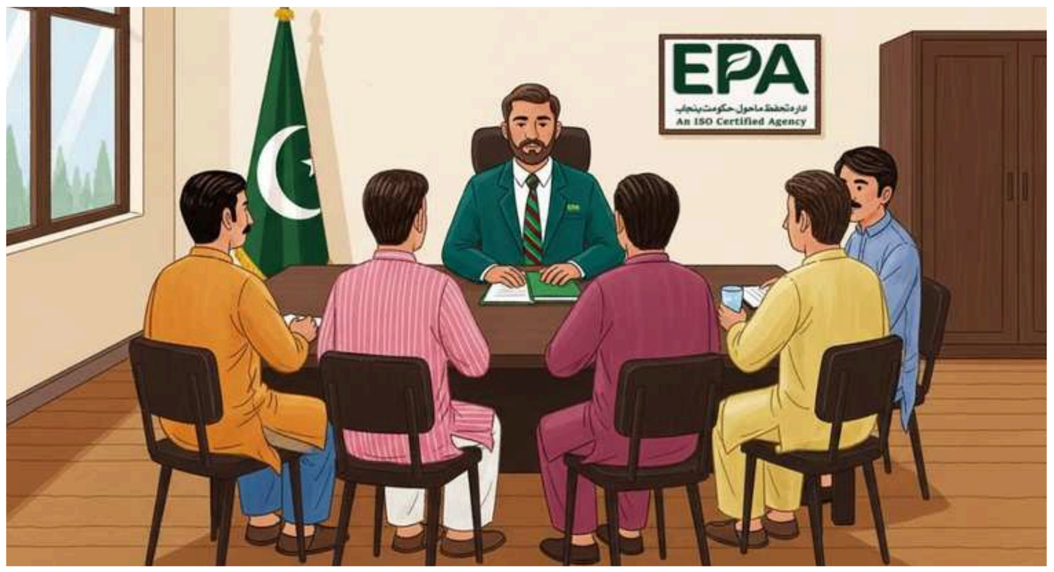

اگلے چند روز میں ضلعی حکومت کی کوڑا تَلف کرنے والی ٹیم بستی میں پہنچ گئی اور اُنہوں نے بستی سے اور کھیل کے میدان سے گندگی اور کوڑا کرکٹ اُٹھانا شروع کر دیا، اور گلیوں کی صفائی کرنا شروع کر دی۔ بستی کے لوگ بھی اِس کام میں اُن کے شانہ بشانہ تھے اور ذوق و شوق کے ساتھ اُن کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔

پَس دو دن کی قلیل مُدّت میں پوری بستی صاف ستھری دکھائی دینے لگی اور "خوشحال پورہ" بستی حقیقت میں خوشحال پورہ نظر آنے لگی۔

کوڑا کرکٹ تلف کرنے والی ٹیم نے روزانہ جمع ہونے والے کچرے کو کوڑے دان میں پھینکنے کے لیے خوشحال پورہ کی ہر گلی میں کوڑے دان رکھ دیے اور پھر بستی والوں نے مناسب طریقے سے کچرا اِن کوڑے دانوں میں ڈالنا شروع کر دیا اور اپنے کوڑے اور گندگی وغیرہ کو زمین یامیدان میں پھینکنے کا سلسلہ تَرک کر دیا۔

اور یوں بستی کے بچوں کے لیے کھیل کا میدان بھی صاف ہو گیا۔ اور اُنھوں نے خوشی خوشی میدان میں کھیلنا شروع کر دیا۔ بستی کے بچوں نے کچرے کو کوڑے دان میں پھینکنے کا سلسلہ اپنے مدرسوں میں بھی شروع کر دیا۔ جب وہ سکول جاتے یا واپس آتے تو وہ اپنے دیگر دوستوں کو بھی یہی مشورہ دیتے کہ کچرے اور گندگی کو کوڑے دان میں ہی پھینکنا ہے۔ اِس سے ماحول اور علاقے دونوں صاف رہیں گے اور وبائی امراض سے جان بھی بچی رہے گی۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ اِنھیں بتاتے کہ محکمہ تحفظِ ماحول اور ضلعی حکومت کا گھریلو کچرے کو تلف کرنے والا شعبہ، ہمارے معیارِ زندگی اور ہماری صحت کی بہتری کے لیے کوشاں ہے۔

اس تمام واقعہ کا خوشحال پورہ بستی کے لوگوں پر بہت خوشگوار اثر ہوا اور اُنہیں یہ سبق مل گیا کہ صفائی جزو ایمان ہے۔ آج خوشحال پورہ بستی کے لوگ باقاعدگی کے ساتھ اپنے گھروں کا کوڑا گلیوں میں رکھے ہوئے کوڑے دانوں میں ڈالتے ہیں۔ اور اِس طرح اپنی اور اپنے بچوں کی یقینی تندرستی کا اعادہ کرتے ہیں۔ وہ یہ جان چکے ہیں کہ ماحول اور علاقے کو صاف ستھرا رکھنا ہی مہذب معاشرے کی نشانی ہے۔

بس تو پیارے بچو، یہ تھی خوشحال پورہ بستی کی کہانی ، جہاں لوگ آج خوشی خوشی صحتمند زندگی گزار رہے ہیں۔ اپنے ماحول کو صاف سُتھرا رَکھ کر اپنی خوشیوں کو دوبالا کر رہے ہیں۔

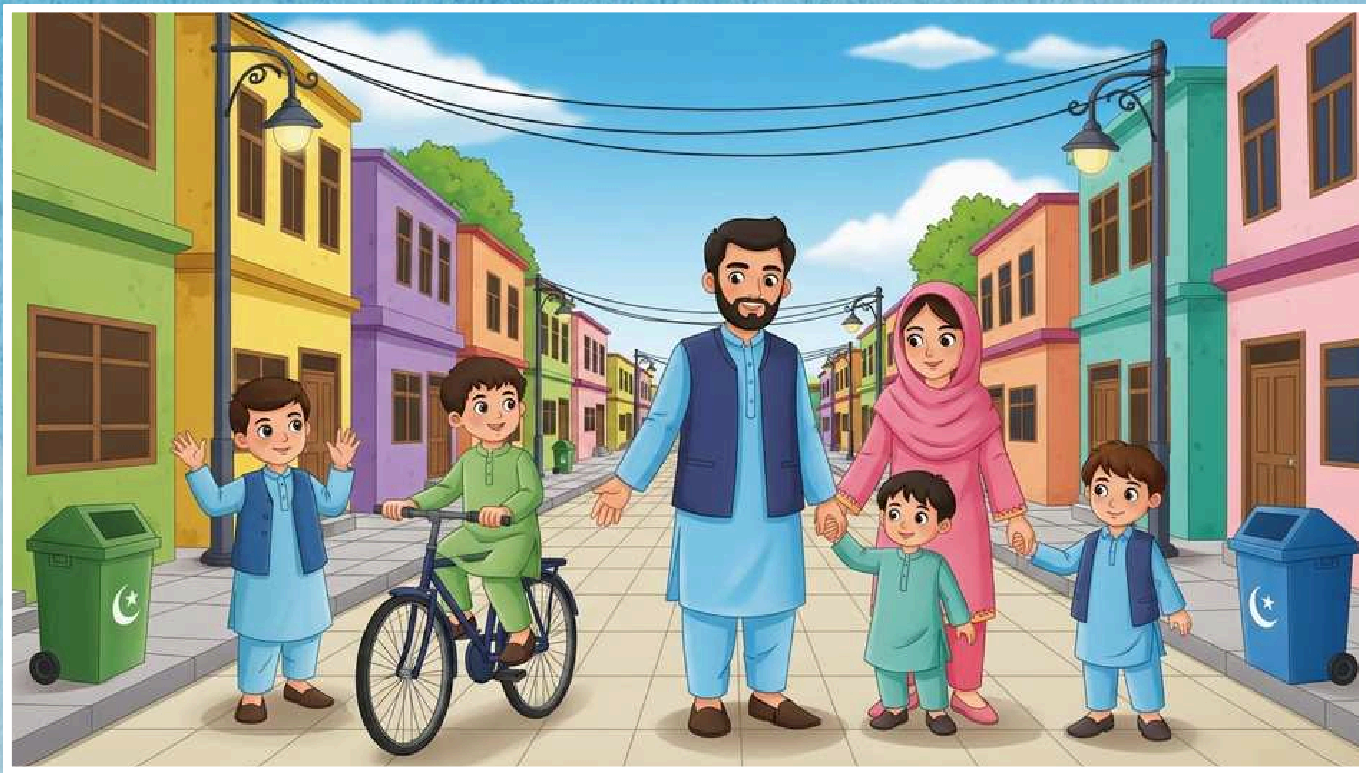

ماحول کا محافظ

مریم بارہ سال کی ایک سمجھدار بچی تھی۔ اُس کے گھر کے قریب ایک پارک تھا جہاں وہ روزانہ اپنی دادی کے ساتھ صبح کی سیر کرنے جاتی تھی۔ پہلے یہ پارک پرندوں کی چہچہاہٹ اوررنگ برنگی تِتلیوں سے بھرَا رہتا تھا۔

اب مریم غور کرنے لگی کہ وہاں دن بہ دن اُداسی اور خاموشی بڑھ رہی ہے۔ تِتلیاں کہیں نظر نہیں آتیں اور پرندوں کی وہ سریلی آوازیں بھی غائب ہو رہی ہیں۔ ایک دن، مریم نے اپنی دادی سے اِس اُداسی کا سبب پوچھا۔ دادی نے افسردگی سے بتایا کہ بہت سے بڑے اور سایہ دار درخت کاٹ دیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے پرندوں کے گھونسلے اُجڑ گئے ہیں اور تتلیوں کو رَس چوسنے کے لیے خوبصورت پھول بھی نہیں مل رہے۔ چونکہ ہریالی کم ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے ہوا بھی پہلے جیسی صاف نہیں رہی۔

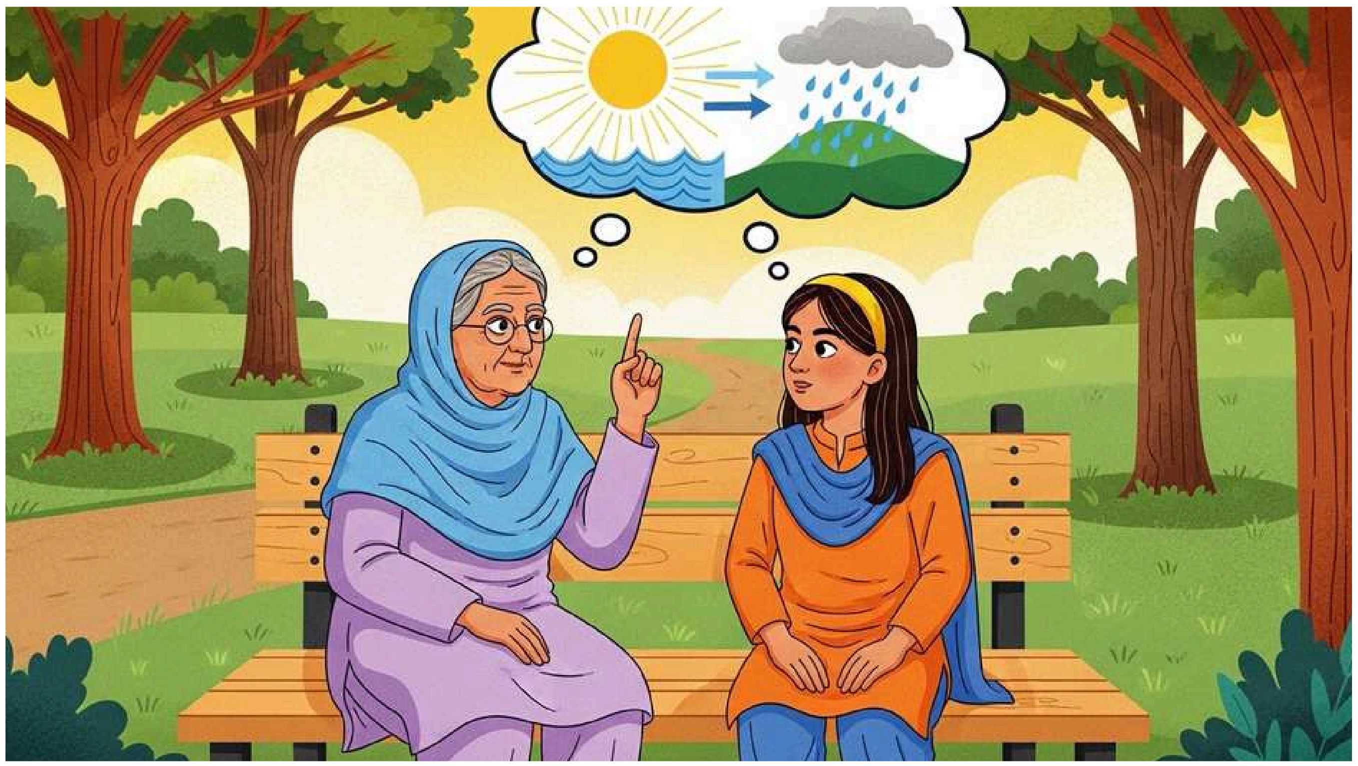

دادی نے مریم کو سمجھایا کہ درخت ہمارے ماحول کی خُوبصورتی اور صفائی کے لیے کتنے قیمتی ہیں۔ وہ نہ صرف ہمیں صاف ہوا دیتے ہیں جس میں ہم سانس لیتے ہیں بلکہ وہ بارش لانے میں بھی مدد دیتے ہیں۔

وہ کیسے دادی ماں؟ مریم نے فوراً سوال کیا۔ دادی نے کہا: دیکھو مریم جان درختوں کے پتوں میں نظر نہ آنے والے چھوٹے چھوٹے سُوراخ ہوتے ہیں۔ ان سُوراخوں سے وہ پانی کو بھاپ بنا کر ہَوا میں چھوڑتے ہیں۔ اِسے 'پانی کا بھاپ بننا' کہتے ہیں۔ جب بہت سارے درخت ایسا کرتے ہیں،تو ہوا میں بہت ساری نمی جمع ہوجاتی ہے۔یہ نمی اوپر آسمان کی طرف ٹھنڈی ہوا میں جاتی ہے۔ ٹھنڈی ہوا میں یہ نمی چھوٹے چھوٹے پانی کے قطروں کی شکل اختیار کرلیتی ہے ۔ یہ آپس میں اکٹھے ہو کر بادل بناتے ہیں۔ اور جب بادل ان چھوٹے چھوٹے پانی کے قطروں سے بہت بھاری ہو جاتے ہیں، تو وہ کیا بن کر زمین پر گِرتے ہیں؟ دادی نے مریم سے پوچھا۔ مریم نے فوراً جواب دیا، "بارش"۔

اور پتہ ہے مریم، جو بڑے بڑے جنگل ہوتے ہیں، وہاں تو اِتنے سارے درخت ہوتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ پانی بھاپ بناتے ہیں۔ اِس لیے اِن علاقوں میں اکثر زیادہ بارشیں ہوتی ہیں۔ درخت زمین کو بھی ٹھنڈا رَکھتے ہیں، جس سے بادل بننے میں اور آسانی ہوتی ہے۔اس کے علاوہ درخت بے شمار جانوروں کے لیے گھر کی حیثیت رَکھتے ہیں۔ دادی نے بہت پیار سے مریم کو سمجھایا۔ دادی نے یہ بھی بتایا کہ درختوں کو بے دریغ کاٹنا قانوناً جرُم ہے، جس کے لیے ایک سرکاری ادارہ محکمہ تحفظِ ماحول ہے، جو اِن سب چیزوں کی نگرانی کرتا ہے اور ہمارے ماحول کی بہتری کے لیے دن رات کام کرتا ہے۔

مریم نے اپنی دادی سے پوچھا ،کیا محکمہ تحفظِ ماحول اِس پارک کو دوبارہ ہرا بھرا بنانے میں ہماری مدد کر سکتا ہے؟ دادی نے جواب دیا، اگر ہم اُنھیں اِس بارے میں بتائیں تو وہ ضرور ہماری مدد کریں گے۔ مریم نے فیصلہ کیا کہ وہ خاموش نہیں بیٹھے گی۔ اِس نے اپنی دادی کی مدد سے محکمہ تحفظِ ماحول کی ہیلپ لائن 1373 پر کال کر کے پارک کی اُداس حالت اور درختوں کی کمی کے بارے میں بتایا۔ اِنھوں نے محکمہ تحفظِ ماحول سے مدد کی اِلتجا کی۔

محکمہ تحفظِ ماحول میں اِنسپکٹر جواد، ایک نوجوان اور پُرجوش آفیسر تھے۔ جب اُنہوں نے مریم کی بات سنی تو وہ اس چھوٹی سی بچی کی فِکر اور ہمّت سے بہت متاثر ہوئے۔ اُنہوں نے فوری طور پر اپنی ٹیم کے ساتھ اس پارک کا دورہ کیا اور وہاں کی ویرانی دیکھ کر اُن کا دل بھَر آیا۔ اگلے ہی دن انسپکٹر جواد، مریم کے گھر پہنچے۔ اُنھوں نے مریم اور اُس کی دادی سے ملاقات کی اور پارک کے لیے اُن کی محبت اور کوششوں کی تعریف کی۔ اُنہوں نے مریم کو یقین دلایا کہ محکمہ تحفظِ ماحول اس مسئلے کو حل کرنے میں ہر ممکن مدد کرے گا۔

اِنسپکٹر جواد نے اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر غیرقانونی طور پر درخت کاٹنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی شروع کر دی۔ اُنہوں نے مریم اور دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر پارک میں دوبارہ پودے لگانے کا ایک منصوبہ بنایا۔ محکمہ نے بچوں کو مختلف اقسام کے پودے فراہم کیئے۔ مریم نے اپنے دوستوں اور اسکول کے دوسرے بچوں کے ساتھ مِل کر جوش و خروش سے پارک کی صفائی کی اور پودے لگائے۔

اُن سب کی مُشترکہ کوششوں سے آہستہ آہستہ پارک میں زندگی لوٹ آئی۔ ننھے پودے بڑے ہونے لگے، پرندے دوبارہ چہچہانے لگے اور رنگ برنگی تتلیاں پھولوں پر پھر سے منڈلانے لگیں۔ ہوا بھی پہلے سے زیادہ صاف اور تازہ محسوس ہونے لگی۔

مریم اور اُس کے دوستوں نے جان لیا کہ اگر عام شہری اور سرکاری اِدارے مل کر کام کریں تو کسی بھی مشکل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ انسپکٹر جواد نے مریم کی ہمّت اور احساسِ ذمّہ داری کی تعریف کرتے ہوئے اُسے پیار سے "نَنھی محافِظِ ماحول" کا لقب دیا۔

مریم نے سیکھا کہ ایک چھوٹی سی آواز بھی بڑی تبدیلی لا سکتی ہے، اور ہر بچے میں یہ طاقت موجود ہے کہ وہ اپنے ماحول کا مُحافظ بنے۔

زہریلا تھیلا

"ارے، تھیلا تو لیتے جاؤ"، شکیل کو سبزی لینے کے لیے گھر سے باہر جاتے ہوئے دیکھ کر دادی اماں نے آواز دی،" دادی اماں! اب آپ اپنے دور کو بھول جائیں۔ اب کپڑے کے تھیلے کا نہیں،پلاسٹک کے شاپنگ بیگ کا دور ہے، اب کپڑے کا تھیلا کون اُٹھاتا پھرے"، شکیل یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ "سمجھ نہیں آتی آج کل لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، سبزی لینے جائیں، دودھ یا گوشت۔ تھیلے،ٹوکری میں لانے کی بجائے پلاسٹک کے تھیلوں میں اُٹھا لاتے ہیں،اور تو اور دودھ اور دہی بھی اُن میں لے آتے ہیں، نہ جانے کس قسم کے پلاسٹک کے بنتے ہیں یہ شاپنگ بیگ"؟

"اماں جی! کہاں سنتے ہیں آج کل کے بچے۔ گھر سے تھیلا یا ٹوکری لے جاتے ہوئے اُن کی شان میں کمی آنے لگی ہے۔ اب ہر چیز تو اِن پلاسٹک کے تھیلوں میں ملنے لگی ہے، اِس لیے ہر کوئی اپنی سہولت دیکھتا ہے"۔

جمیلہ بیگم جو باورچی خانے سے نکل رہی تھیں اُن کی باتیں سن کر کہنے لگیں۔ "بہو! اِسی لیے تو لوگوں کی صحت دن بدن خراب ہو رہی ہے اور ماحولیاتی آلودگی بتدریج بڑھتی جا رہی ہے، سب کچھ مصنوعی ہوتا جا رہا ہے"، دادی اماں افسوس سے بولیں۔

رات کو سب گھر والے ٹی وی کے سامنے بیٹھے تھے، کیونکہ آج اُن کا پسندیدہ ڈرامہ دکھایا جا رہا تھا۔ ڈرامہ چونکہ دلچسپ اور اچھے موضوع پر تھا اِس لیے دادی اماں بھی شوق سے دیکھ رہی تھیں۔ ڈرامے کے دوران وقفہ آیا تو محکمہ تحفظِ ماحول کا اِشتہار چلنے لگا۔

"پلاسٹک بیگ سے اِنکار کیجیے، پلاسٹک بیگ ماحول کو آلودہ بنا کر اِنسانی صحت پر بُرے اثرات مُرتب کرنے کا باعث بنتے ہیں"۔ "دیکھا! میں نہ کہتی تھی، اِن موئے شاپروں سے جان چھڑاؤ اورسودا کپڑے کے تھیلے میں لے کر آیا کرو"، دادی اماں فوراً بول اُٹھیں۔

”لیکن ابو! پلاسٹک بیگ سے بھلا اِنسانی صحت پر کیا بُرے اَثرات ہوتے ہوں گے“؟ شکیل جو دادی اماں کی بات پر کان نہیں دَھرتا تھا، اپنے ابو سے پوچھنے لگا۔ ”بیٹا! روزانہ جتنا کوڑا اِکٹھا ہوتا ہے، اُسے ٹھکانے لگانا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔

اِس میں کچھ چیزیں تو کھاد کے طور پر استعمال ہو جاتی ہیں، کچھ چیزیں اِن جیسی دوسری اشیاء دوبارہ تیار کرنے (ری سائیکل) کے لیے علیحدہ کر لی جاتی ہیں، مثلاً کاغذ، شیشہ اور دھاتیں وغیرہ کو دوبارہ استعمال کرلیاجاتا ہے، لیکن شاپنگ بیگ جنہیں ’شاپر‘ بھی کہا جاتا ہے یہ قدرتی طور پر گلتے سڑتے نہیں اور ماحول میں ہزاروں سال موجود رہتے ہیں۔ یہ گٹروں میں چلے جائیں تووہاں پھنس کر نکاسی آب میں رُکاوٹ ڈال دیتے ہیں اور کوڑے میں اِن کو الگ کرنا مشکل ہوتا ہے“۔

"پھر تو اِس کوڑے کو آگ لگادینی چاہیے تاکہ قصّہ ہی ختم ہوجائے"، نائلہ جو ابو کی باتیں غور سے سن رہی تھی جلدی سے بولی۔ "نہیں، ہرگز کوڑے کو آگ نہیں لگانی چاہیے کیونکہ اِس سے فضا میں کاربن کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ خاص طور پر پلاسٹک بیگز کو جلانا تو اِنتہائی مُضر ہے۔ اِن کے جلانے سے جو گیسیں پیدا ہوتی ہیں وہ صحت کے لیے بہت نقصان دہ ہیں۔ اِسی لیے تو اِن کا استعمال کم سے کم کرنے کے لیے حکومت بھی مہم چلا رہی ہے اور مختلف تنظیمیں بھی اِس سلسلے میں کام کر رہی ہیں۔ ابو نے نائلہ کو تفصیل سے سمجھایا۔

دادی اماں مسکرا تے ہوئے کہنے لگیں "مجھے پلاسٹک کے تھیلوں کے اتنے نقصانات کا علم ہی نہیں تھا۔ مجھے تو اچھا ہی نہیں لگتا تھا کہ دودھ، دہی، گھی اور روٹیاں تک پلاسٹک کے تھیلوں میں لائی جاتی ہیں۔ دودھ، دہی صاف برتنوں اور روٹیاں صاف رومالوں میں لانی چاہئیں تاکہ صفائی اور پاکیزگی کا کچھ تو خیال رہے"۔

ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں دکاندار سے پلاسٹک کے تھیلوں میں نہ لیں بلکہ اِصرار کریں کہ دکاندار کاغذ کے لفافوں میں چیزیں ڈال کر دے جیسا کہ پہلے دیتے تھے۔

یا آپ اپنا تھیلا گھر سے لے کر جائیں۔ جو پلاسٹک کے تھیلے گھر آ جائیں، اِنہیں دوبارہ استعمال کرنے کے لیے محفوظ کرلیں۔ گھر یا گلیوں میں بکھرنے نہیں دینا چاہیئے۔ پھینکنے کے لیے اِن سب کو باندھ کر کوڑے دان میں ڈال دینا چاہیئے تاکہ آسانی سے الگ کیئے جاسکیں۔ کوڑے کو گلیوں میں اِدھر اُدھر نہیں پھینکنا چاہیئے بلکہ اسے مخصوص ڈبوں یا کنٹینروں میں ڈالنا چاہیئے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ کوڑے کو آگ ہرگز نہیں لگانی چاہیئے، ابو نے دادی اماں کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

آئیں وعدہ کریں کہ اَب ہم ہر ممکن کوشش کریں گے کہ پلاسٹک بیگ کم سے کم استعمال کریں گے اور خریداری کے لیے اپنا تھیلا گھر سے لے کر جائیں گے"۔ جمیلہ بیگم بچوں سے مخاطب ہوئیں۔ "ہم وعدہ کرتے ہیں"۔ شکیل اور نائلہ نے بلند آواز سے کہا۔ "ہم اپنے دوستوں کو بھی یہ بتائیں گے اور پلاسٹک کے اس خطرناک تھیلے کے نقصانات کے بارے میں دوسروں کو بھی آگاہ کریں گے تاکہ ہم اپنے ماحول کو آلودگی سے بچا سکیں"۔ شکیل نے مزید کہا۔

یاد رکھنے کی مفید باتیں

- خریداری کے لیے اپنا تھیلا یا ٹوکری لے کے جائیں۔
- دہی، دودھ اور روٹیاں پلاسٹک کے تھیلوں میں مت لائیں۔ یہ آپ کی صحت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔
- گھر آئے ہوئے پلاسٹک کے تھیلوں کو محفوظ طریقے سے رکھیں اور دوبارہ استعمال میں لائیں۔
- شاپنگ بیگ کو پھینکنا ضروری ہو تو اسے گِرہ لگا کر کوڑے دان میں ڈالیں۔
- پلاسٹک بیگ کو آگ کبھی مَت لگائیں، کیونکہ زہریلی آلودہ ہوا میں آپ کو بھی سانس لینا ہے۔
- تفریحی مقامات اور آبی گزرگاہوں (دریا، نہر، ندی، جھیل) پر دورانِ تفریح شاپنگ بیگ کا استعمال کم کریں اور اس کو مناسب طریقے سے ٹھکانے لگانے کی ذمہ داری بھی خود لیں۔

کہاں گیا سارا پانی؟

مسٹر خان اور اُن کی فیملی لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ وہ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے اور اُنھوں نے اپنے آپ کو ضرورت مند اور غریب لوگوں کے علاج معالجے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اور اُن کی بیگم اپنے تین بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ اُن کی سب سے بڑی بیٹی ماریہ تھی۔ وہ پانچویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھی۔ ماریہ بہت ذمّہ دار اور دوسروں کا خیال رکھنے والی بچی تھی۔ اِسی وجہ سے وہ اپنے والدین کی آنکھ کا تارا تھی۔

لیکن اُس کے دوسرے دونوں بہن بھائی مزاج میں ماریہ سے بالکل مختلف تھے۔ اُن کے نام علی اور زویا تھے۔ علی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا اور زویا ابھی اوّل جماعت میں تھی۔ دونوں بے حد شرارتی بچے تھے۔ پانی جیسی عظیم نعمت کو ضائع کرنا اُنھوں نے مشغلہ بنا لیا تھا۔ وہ دونوں جب موقع ملتا پانی کو کھول دیتے اور اِس طرح پانی ضائع ہوتا رہتا۔

ماریہ ہر وقت اپنے بہن بھائی کو پانی کے بارے میں بتاتی رہتی کہ پانی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ پانی تمام جانداروں کے لیے بے حد ضروری ہے، لیکن دونوں بہن بھائی کے کانوں پر جُوں نہ رینگتی۔وہ دونوں بہن کی کسی نصیحت کوخاطر میں نہ لاتے اور ہرگز اس بات کو محسوس نہ کرتے جو بات ماریہ انہیں بتانا اور سمجھانا چاہتی تھی۔

صُبح اُٹھنے کے بعد یا رات کو سونے سے پہلے جب علی دانتوں کو برش کرتا تو واش بیسن کا نَل کھول دیتا اور اِس طرح پانی ضائع ہوتا رہتا اور تو اور وہ بیسن کا سوراخ بند کر دیتا اور پانی جمع کر کے اُسے اُچھالتا، اُس پر ہاتھ مارتا اور ضائع کرتا۔ یہ شرارت اُس کے لیے اِنتہائی خوشی اور تفریح کا باعث بن گئی تھی اور وہ اس سے بہت زیادہ لُطف اندوز ہوتا تھا۔
اِن کی شرارتوں سے محلے کے لوگ بھی محفوظ نہ تھے۔ وہ لوگوں کے گھروں میں جاتے اور پانی کے نَل کھول کر بھاگ جاتے۔

ڈاکٹر صاحب کی گھریلو ملازمہ بھی بہت غیر ذمّہ دار تھی۔ وہ جب بھی باورچی خانے میں کام کرتی تو بہت پانی ضائع کرتی۔

ماریہ اکثر اسے بھی سمجھاتی کہ پانی ضائع نہ کیا کرو۔ اِس حرکت پر اُسے ماریہ سے ڈانٹ بھی پڑتی، لیکن وہ بھی ماریہ کی بات نہ سنتی۔ اُس پر بھی کسی نصیحت کا اثر نہ ہوتا۔

ماریہ کے بہن بھائی اور ملازمہ اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ اگر اِسی طرح پانی ضائع ہوتا رہا تو ملک میں پانی کی کمی کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا، اور ملک بہت بُرے حالات سے دو چار ہو جائے گا۔ لوگ پانی کی کمی کے عذاب میں مُبتلا ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب اور اُن کی بیگم کو محلّے کے بہت سے لوگوں نے علی اور زویا کی شکایت کی، لیکن ڈاکٹر صاحب اور اُن کی بیگم نے اُن کی شکایت کو سنجیدگی سے محسوس نہ کیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ علی اور زویا ابھی چھوٹے بچے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ سمجھدار ہو جائیں گے اور اِس عادت کو چھوڑ دیں گے۔

پھر ایک دن اُن بچوں کے اسکول میں پانی کے عالمی دِن کے موقع پر ایک تقریب منعقد کی گئی۔ بچوں کو ایک ڈاکومنٹری فلم دکھائی گئی، جس میں پانی کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا اور کچھ حقائق بیان کیے گئے جن سے پانی کی اہمیت کو سمجھا جا سکے۔

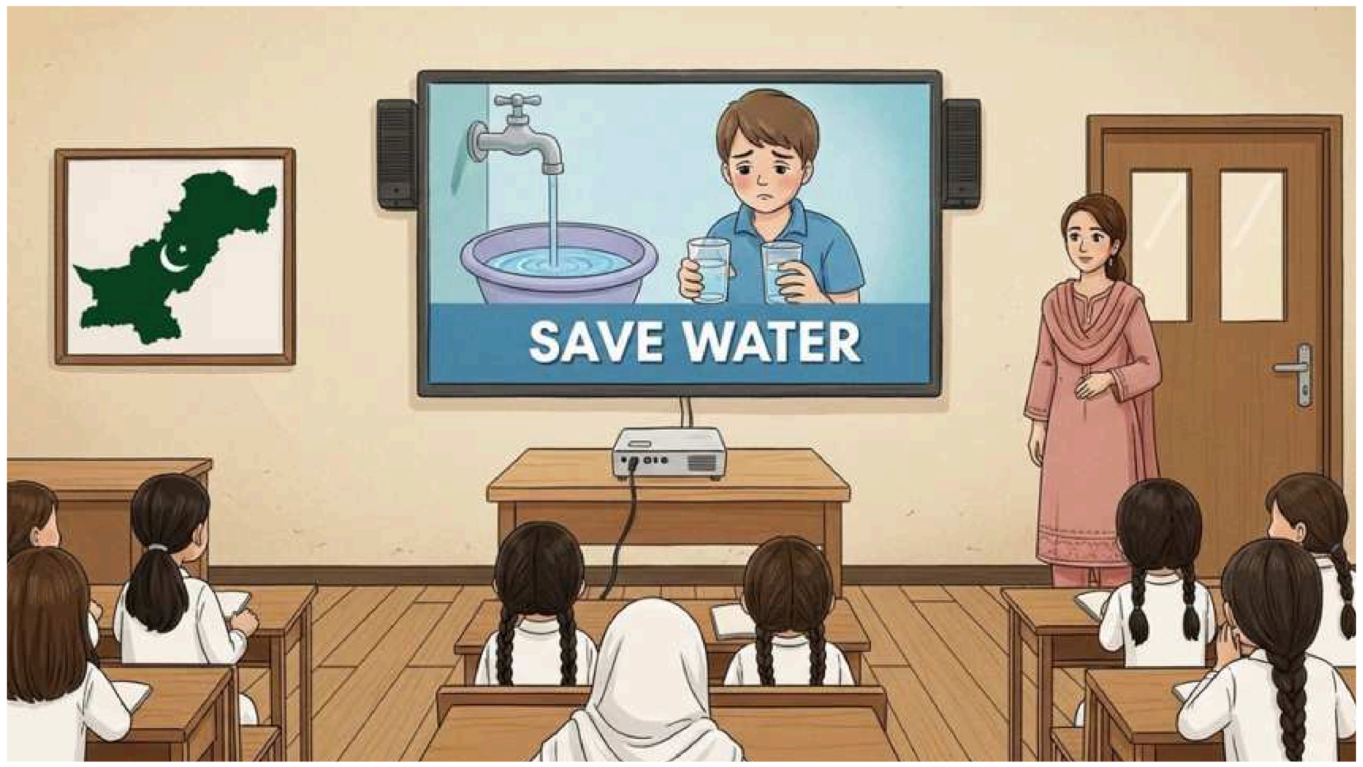

بچوں کو ڈاکومنٹری کے ذریعے یہ بات بھی بتائی گئی کہ دنیا کی نِصف آبادی کو پانی کی قلت کا مسئلہ درپیش ہے۔ آج لوگ پانی کی خاطر چیخ وپکار کر رہے ہیں لیکن اِن تمام باتوں کے باوجود لوگ پانی کی سہولت سے محروم ہیں۔ نہ توانہیں پینے کیلئے صاف پانی دستیاب ہے اور نہ استعمال کے لیے پانی ملتا ہے۔ یہ ڈاکومنٹری دیکھ کر بچوں میں اِس بات کا شعور اُجاگر ہوا کہ پانی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہ بات ان کے دِلوں پر اثر کر گئی اور انہیں اپنے رویے پر بہت شرمندگی ہوئی۔

علی اور زویا کو بہت مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔پانی کی پائپ لائن پھٹ گئی اور اُن کے گھر تک پانی کی فراہمی متاثر ہو گئی۔ جب ڈاکٹر علی خان کو اِس بات کا علم ہوا تو انھوں نے واسا کے دفتر سے رجوع کیا۔واسا کے اہلکار فوراً ڈاکٹر صاحب کے گھر پہنچ گئے اور پائپ لائن کی مرمت کرنے لگے۔

پائپ لائن سے پانی کی فراہمی رُک گئی۔ دونوں بچوں کو بہت پریشانی ہوئی کیونکہ اُن کی تمام شرارتیں اور سرگرمیاں رُک گئی تھیں۔ اب تو اُن کے پاس استعمال کے لیے بھی پانی نہ تھا۔وہ دانت برش کر سکتے تھے اور نہ ہی کوئی اور کام۔ اِس طرح علی اور زویا کو پانی کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔

آخرکار واسا کے اہلکاروں نے پائپ کی مرمت کردی اور اس کی لیکیج کو ختم کردیا لیکن اِس سارے واقعے نے اُن کی آنکھیں کھول دیں۔ اور اِس طرح اِنہیں اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا۔ اب اُنہیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ پانی اُن کی زندگی کے لیے کتنا ضروری ہے اور اِس کی اہمیت کیا ہے۔ اِنہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پانی کے ضیاع سے بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔

چنانچہ دُوسرے بچوں میں پانی کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے تینوں بہن بھائی متحد ہوگئے اور انہوں نے پانی کے بہتر استعمال کو یقینی بنانے کے بارے میں ایک خاص انداز سے مُہم شروع کی۔ اُن کی اس مُہم کا مقصد یہ تھا کہ لوگ پانی کو محفوظ رکھیں اور پانی کی حفاظت کا شعور اپنے اندر پیدا کریں۔ کہتے ہیں کہ تینوں بہن بھائی فُرصت کے اوقات میں گھر گھر جاتے اور لوگوں کو پانی کے صحیح استعمال کے بارے میں بتاتے اور پانی کی اہمیت پر روشنی ڈالتے۔

پانی کے بچاؤ کے لیے مفید مشورے

- اپنے دانتوں کو صاف کرنے سے پہلے برش گیلا کرلیں اور نل بند کریں، پھر نَل کھول کر کُلی وغیرہ کریں۔
- پانچ مِنٹ یا کم وقت میں نہانے کی عادت اپنائیں۔
- گاڑی دھونے کیلئے بالٹی یا ٹَب کا استعمال کریں۔
- گھروں کو روز روز دھونے کی بجائے جھاڑو کا استعمال زیادہ کریں۔
- لان میں صبح سویرے پانی کا چھڑکاؤ کریں۔
- پھٹے ہوئے واٹرپائپ کی اطلاع فوری طور پر گھر کے بڑے فرد کو دیں تاکہ پانی کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔